کیا مُرتد کی سزا بغاوت کی بنا پر ہے؟

(ملک غلام علی صاحب)

میرے ایک محترم دوست نے مجھے توجہ دلائی کہ مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم سُنّی دینیات مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ایک مضمون "احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت" ماہنامہ "برہان" دہلی میں بالاقساط شائع ہو رہا ہے۔ اس کی جو قسط اپریل ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی ہے، اس میں ایک ذیلی سُرخی یہ ہے کہ "مُرتد کی سزا بغاوت کی بنا پر ہے" اور اس کے تحت بعض فقہی حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام میں مُرتد کو سزائے قتل صرف باغی ہونے کی صورت ہی میں دی جا سکتی ہے۔ مجھے اس پر کچھ خلش سی محسوس ہوئی اور میں نے یہ پرچہ حاصل کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ واقعی اس مضمون میں اس طرح کا ایک ذیلی عنوان موجود ہے۔ اس کے تحت مولانا امینی صاحب نے جو کچھ درج فرمایا ہے، مناسب ہے کہ اس کا ضروری حصہ یہاں نقل کر دیا جائے۔ عبارتِ مذکورہ کا ابتدائی ٹکڑا یہ ہے:

"ان القتل باعتبار المحاربة	قتل جنگ جوئی کے اعتبار سے ہے
فیقتل لدفع المحاربة	قتل کیا جائے جنگ کے دفعیہ کی غرض سے
لان القتل لیس بجزاء علی الردة	قتل مرتد ہونے کی سزا نہیں ہے۔

(تینوں حوالہ جات المبسوط للسرخسی ج ۱۰ ص ۱۱۰ سے لیے گئے ہیں)

بلاشبہ الٰہی شریعت میں تبدیلِ مذہب اور کفر بڑا گناہ ہے لیکن یہ معاملہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے (حوالہ مذکور)۔ حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ جس کی طرف سے بھی بغاوت پائی جائے گی، اُس کے خلاف کارروائی ضروری ہوگی۔"

یہ حوالے دیکھ کر میرے تعجب و خلجان میں مزید اضافہ ہو گیا۔ مجھے یہ یقین تھا کہ کتاب و سُنّت کے واضح دلائل کی بنا پر پوری اُمتِ مُسلمہ کے ائمہ سلف اور فقہاء مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ مُرتد مجرد اسلام چھوڑنے اور ارتداد کی راہ اختیار کرنے پر قتل کی سزا کا مستوجب ہے خواہ وہ ارتداد کے بعد عَلَمِ بغاوت بلند کرے یا نہ کرے۔ اس لیے میں یہ باور نہیں کر سکتا تھا کہ شمس الائمہ سرخسی جیسے نامور فقیہ یہ موقف اختیار فرمائیں گے کہ صرف مسلح بغاوت کرنے والے مرتد ہی کو قتل کیا جا سکتا ہے اور تبدیلیٔ مذہب کا معاملہ چونکہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے، اس لیے محض ترکِ اسلام پر اسلامی حکومت کوئی کارروائی نہیں کر سکتی بلکہ صرف بغاوت کی بنا پر ہی سزا دے سکتی ہے۔

اس پر میں نے مبسوط سے مراجعت کرنا ضروری سمجھا اور متعلقہ جلد کے باب المرتدین کا بغور مطالعہ کیا۔ یہ باب پورے چھبیس (۲۶) صفحات پر مشتمل ہے۔ جب میں نے اس بحث اور بالخصوص مولانا ایمنی صاحب کے اخذ کردہ حوالوں کو اصل کتاب میں دیکھا تو میں دنگ رہ گیا۔ مولانا کی غلط ترجمانی کا اندازہ اس وقت تک کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا، جب تک کہ وہ امام سرخسیؒ کے ارشادات کا کچھ نہ کچھ حصہ یا کم از کم اس کا لفظی ترجمہ خود نہ پڑھ لے۔ میں یہاں قارئین کی سہولت و تشفی کی خاطر اس بحث کے ابتدائی حصے کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ اقتباس ذرا طویل ہے، مگر اس کے بغیر حقِ بحث ادا نہ ہو گا۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب مسلمان مرتد ہو جائے، اس کے سامنے اسلام کو دوبارہ پیش کیا جائے گا۔ اگر مسلمان ہو جائے تو ٹھیک، ورنہ اُسے قتل کر دیا جائے گا، اِلّا یہ کہ وہ مہلت و تاخیر کا مطالبہ کرے۔ اگر ایسا کرے، تو اُسے تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ قتلِ مرتدین کے وجوب کی بنیاد اس قولِ الٰہی پر ہے: تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ۔ ایک قول کے مطابق اس آیت میں مرتدین کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من بدّل دینه فاقتلوه (جو اپنا دین، یعنی دینِ اسلام، تبدیل کرے، اُسے قتل کر دو)۔

ارتداد کی بنا پر مرتد کا قتل حضرت علی، ابنِ مسعود، معاذ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے مروی ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ مرتد مشرکین عرب کے مانند ہے، بلکہ اس کا جرم ان سے زیادہ شدید ہے۔ مشرکین عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے اور قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کا حق نہ پہچانا اور شرک میں مبتلا رہے۔ اور یہ مرتد اہلِ دینِ رسول میں سے تھا اور محاسنِ شریعت سے آگاہ ہو چکا تھا۔ پھر بھی اُس کا لحاظ اس نے نہ کیا اور مُرتد ہو گیا۔ جس طرح مشرکینِ عرب سے نہ تیغ ہونے یا اسلام لانے کے سوا کوئی دوسری صورت قابلِ قبول نہ تھی، یہی صورت مرتدین کے ساتھ بھی ہے۔ البتہ اگر وہ مہلت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی کیونکہ ظاہر بات ہے کہ وہ کسی شبہ میں مبتلا ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے وہ مرتد ہوا ہے پس اس شبہے کا ازالہ ہمارے ذمے ہے۔ یا یوں ہے کہ وہ غور و فکر کا محتاج ہے تا کہ حق اس پر واضح ہو جائے جس کے لیے بہر حال مہلت درکار ہے۔ پس اگر وہ مہلت چاہے تو امامِ وقت پر مہلت دینی لازم ہے اور شریعت میں اس کی مدت تین روز ہے جس طرح بیع بالخیار میں ہے۔ اس لیے امام اُسے تین دن کی رخصت دے اور اس میں اضافہ نہ کرے۔

ہمارے مذہب کی روایتِ ظاہرہ یعنی مستند قول کے مطابق اگر مرتد مہلت نہ مانگے تو اُسے فوراً بلا تاخیر قتل کر دیا جائے۔ لیکن ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا ایک نادر یعنی باعتبارِ سند کمتر درجے کا قول یہ ہے کہ خواہ مطالبۂ مہلت ہو یا نہ ہو، امام کے لیے مہلت و تاخیر مستحب ہے۔ شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ امام پر تین دن کی مہلت واجب ہے اور اس سے قبل اس کے لیے قتل جائز نہیں ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ پردیس کی کوئی خبر ہے؟ اُس نے کہا، ہاں ایک شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا، تم نے کیا کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ہم اس کے پاس گئے اور اس کی گردن اڑا دی۔ فرمانے لگے تم نے تین دن تک اس پر دروازہ

بند کیوں نہ کر دیا اور روزانہ اُسے ایک چپاتی کیوں نہ دیتے رہے۔ شاید کہ وہ تائب ہو کر حق کی جانب رجوع کرتا؟ پھر حضرت عمرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا اے اللہ میں اس فعل پر گواہ نہ تھا اور معلوم ہو جانے کے بعد بھی میں اس پر راضی نہ ہوا۔ یہ روایت ایک دوسرے طریقے سے یوں بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ معاملہ تمہاری طرح مجھے پیش آتا تو میں اُسے تین دن تک مہلتِ توبہ دیتا۔ اگر وہ توبہ کر لیتا تو خیر، ورنہ اُسے قتل کر دیتا۔ اس واقعے میں استحبابِ تاخیر پر دلیل ملتی ہے۔ پہلے قول کی تاویل یہ ہے کہ طلبِ مہلت اس وقت کے ساتھ مخصوص ہوگی جب کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ نئے نئے اسلام لائے ہوں گے اور ان کے دلوں میں بسا اوقات شبہات بھی پیدا ہوں گے اور ان کے رفع ہو جانے پر وہ تائب بھی ہو جائیں گے۔ اس لیے ایسی صورت میں ترکِ مہلت ناپسندیدہ ہے۔ لیکن جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے۔ اس میں دین کی حکمرانی مستحکم ہو چکی ہے اور حق واضح ہو چکا ہے۔ اس کے بعد مسلمان کا شرک اختیار کرنا ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ کی شقاوت و بدبختی ہو اور یہ سکتا ہے کہ وہ کسی شبہے میں پڑ گیا ہو۔ اور اس دوسری صورت کی علامت یہ ہو گی کہ وہ مہلت مانگے گا اگر وہ نہ مانگے تو ظاہر ہے کہ وہ بدنصیب ہی ہے، پس اس کے قتل میں مضائقہ نہیں۔ البتہ اُسے توبہ کا موقع دیا جائے تو اچھا ہے کیونکہ وہ ایک ایسے کافر کے مانند ہے جسے دعوتِ دین پہنچ چکی ہو۔ اس طرح کے آدمی کے حق میں تجدیدِ دعوت مستحب ہے مگر واجب نہیں۔

اس طرح اگر مرتد سے توبہ کرائی جائے اور وہ کر لے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن اس کی توبہ یہ ہو گی کہ وہ کلمۂ شہادت ادا کرے اور اسلام کے سوا تمام ادیان سے برات ظاہر کرے، یا اس بے دینی سے بیزاری کا اظہار کرے جس میں وہ مبتلا ہو گیا تھا۔ پس یہودی ہو جانے والے کا اسلام تب مکمل ہو گا جبکہ وہ یہودیت سے

تبرّی کرے، نصرانی نصرانیت سے کرے اور جو بالکل بے دین اور مرتد ہو جائے وہ اسلام کے ماسوا ہر کیش وملّت سے اظہار براءت کرے۔ کیونکہ مرتد کسی متعین مذہب کا پیرو نہیں رہتا اور جس حالت میں وہ مبتلا ہوا تھا، اس سے اگر وہ بیزاری کا اعلان کرے تو مقصد حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ دوبارہ یا سہ بارہ مرتد ہو، تو ہر مرتبہ اس کے ساتھ یہی کیا جائے گا اور اگر وہ اسلام لے آئے تو اُسے چھوڑ دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ اور حضرت علی وحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ اگر چوتھی مرتبہ مرتد ہو تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی بلکہ ہر حالت میں اُسے قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ دین کا استخفاف واستہزاء کرنا چاہتا ہے، تائب ہونا نہیں چاہتا۔ ان دونوں حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو کفر میں بڑھتا ہی جائے، نہ کہ اُس کے بارے میں جو ایمان لے آئے اور توبہ وخشوع کا اظہار کرے۔ چوتھی مرتبہ بھی اس کی حالت وہ ہو سکتی ہے جو اس سے پہلے تھی اور جب وہ اسلام لائے، اسے قبول کرنا واجب ہو گا کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقٰى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔

روایت ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ایک مشرک پر حملہ آور ہوئے۔ اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ لیکن انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا۔ قیامت کے روز تم اس کلمے کا کیا جواب دو گے؟ حضرت اسامہ کہنے لگے کہ اس نے جان بچانے کے لیے کہا تھا۔ آنحضورؐ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں ایسا کرتا، تب بھی مجھے کیا معلوم ہوتا؟ آنحضرتؐ نے

فرمایا، پس تو اس کی زبان ہی اس کے دل کی ترجمان ہو سکتی تھی۔

تاہم اقوال نوادر میں مذکور ہے کہ اگر مرتد بار بار ایسا ہی کرے تو اسے اس جرم کی سخت سزا دی جائے، پھر اسے قید کر دیا جائے یہاں تک کہ اس سے دائمی توبہ وخشوع ظاہر ہو جائے۔ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر وہ بار بار ایسا کرے تو اسے بغیر نوٹس دیئے قتل کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ انتظار کیا جائے گا اور جب وہ پھر کلمۂ شرک کا اظہار کرے گا تو اسے توبہ کا موقع دیئے بغیر بلا تاخیر قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے توہینِ اسلام کا اظہار ہو رہا ہے اور جس کافر تک دعوت پہنچ چکی ہو، اُس کا قتل توبہ کی مہلت دیئے بغیر جائز ہے۔ پس اگر مرتد اسلام لانے سے انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اور ہمارے علماء کے قول کے مطابق اس کی میراث اس کے مسلمان وارثوں میں قانونِ الٰہی کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔"

امام سرخسیؒ کی کتاب المبسوط، باب المرتدین کے یہ ابتدائی تقریباً دو صفحات ہیں جن کا ترجمہ میں نے بلا کم وکاست پیش کر دیا ہے تاکہ ائمۂ احناف کا اصولی مسلک وموقف قتلِ مرتد کے مسئلے میں واضح ہو جائے اور اس کی روشنی میں ان عبارات کا صحیح محل ومفہوم بھی سمجھ میں آسکے جو آگے چل کر اس باب میں آرہی ہیں اور جن کے متن اور مفہوم میں مولانا محمد تقی امینی صاحب نے بے جا تصرف کیا ہے۔ اس ابتدائی بحث کے بعد تقریباً آٹھ صفحات (ص۱۰۰ تا ص۱۰۸) اس بحث کے لیے وقف ہیں کہ مرتد کے ترکے کا وارث کون ہوگا اور حالتِ ارتداد میں خرید وفروخت کے معاملات یا دیگر افعال وتصرفات جو مرتد سے صادر ہوتے ہوں ان کی قانونی حیثیت کیا ہوگی۔ یہ بحث چونکہ ضمنی اور ہمارے موضوع سے براہِ راست متعلق نہیں ہے، اس لیے اسے یہاں نقل کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے بعد امام موصوف نے اس سوال پر بحث کی ہے کہ فعلِ ارتداد اگر مرد کے بجائے عورت سے سرزد ہو تو اس کی سزا کیا ہوگی؟ اس میں شافعیہ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ مرتد اور مرتدہ کی سزا میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ آنحضورؐ نے ایک مرتدہ امّ مروان کو اور حضرت

ابوبکرؓ نے ایک مرتدہ امِّ قرفہ کو قتل کی سزا دی تھی۔ پھر امام سرخسی اپنے یعنی حنفیہ کے مسلک کے تفصیلی دلائل دیتے ہیں جن کی بنا پر وہ مرد اور عورت کے ارتداد کو یکساں درجے میں نہیں رکھتے۔ امّ مروان کے قتل کی وجہ وہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ مرتدہ ہی نہیں بلکہ درحقیقت وہ ایک قائدہ اور مُقاتلہ بھی تھی اور اپنے پیروؤں کو قتال پر اُبھارتی تھی۔ اسی طرح ام قرفہ تیس بیٹیوں کی ماں تھی جنہیں وہ مسلمانوں کے خلاف لڑاتی تھی، اس لیے قتل کی گئی۔

اسی جگہ شمس الائمہ سزائے مرتد کے مسئلے کا ایک خاص پہلو مزید واضح کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مرتد کو جو سزائے قتل اسلام میں دی جاتی ہے وہ فقط اس بنا پر نہیں کہ وہ اسلام کے بعد کفر اختیار کرتا ہے، بلکہ سزا اس وجہ سے ہے کہ وہ کفر پر جم جاتا ہے اور دوبارہ اسلام لانے سے انکار کر دیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ کفر پر اصرار نہ کرے اور تائب و مسلمان ہو جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ حالانکہ بعض دیگر جرائم میں سزا توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے مولانا ایمنی صاحب نے اقتباس اخذ کیے ہیں۔ مگر انہوں نے ایک غضب تو یہ کیا ہے کہ مبسوط کی بحث کا وہ اصولی اور ابتدائی حصہ بالکل نظر انداز کر دیا ہے جس کا ترجمہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے اور جس سے ثبت طریق پر فقہائے حنفیہ کا مسلک واضح ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا غضب یہ کیا ہے کہ درمیان سے ایک ضمنی بحث کے چند ایسے نا تمام فقرے چھانٹ لیے ہیں جن سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مرتد کے لیے سزائے قتل صرف اسی صورت میں ہے جبکہ وہ علمِ بغاوت بھی بلند کر دے ورنہ مجرد ارتداد کوئی جرم مستلزم سزا نہیں ہے۔ حالانکہ امام سرخسی بالکل دوسری بات فرما رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مُرتد کی سزا محض ترکِ اسلام کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ درحقیقت اس بنا پر ہے کہ وہ ارتداد کے بعد کفر پر مُصر رہتا ہے، ورنہ اگر وہ دوبارہ بلکہ سہ بارہ بھی ایمان لے آئے تو سزا ٹل سکتی ہے۔ اس نکتے کی پُوری وضاحت کے لیے اب میں وہ عبارتیں نقل کرتا ہوں جن سے غلط مفہوم اخذ کرنے اور اُسے اصل مدعا کے خلاف استعمال کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ مولانا محمد تقی صاحب نے جس طرح فقرے نقل کیے ہیں وہ نامکمل بھی ہیں اور ان کی ترتیب بھی اُلٹی ہے۔ جو

عبارت انہوں نے تیسرے نمبر پر دی ہے۔ اصل کتاب میں وہ سب سے پہلے آئی ہے۔ مولانا نے اسے ترجمے کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

القتل لیس بجزاء علی الردۃ	قتل مرتد ہونے کی سزا نہیں ہے۔

اب مبسوط کی اصل عبارت کو دیکھیے! وہ یوں ہے:

القتل لیس بجزاء علی الردۃ بل هو مستحق باعتبار الاصرار علی الکفر الا تری انه لو اسلم یسقط لانعدام الاصرار۔	قتل ارتداد کی سزا نہیں ہے، بلکہ مرتد کفر پر اصرار کرنے کے اعتبار سے مستحق قتل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہ پھر اسلام لے آئے تو عدم اصرار کی بنا پر سزا ساقط ہو جائے گی۔

مولانا ایمنی صاحب نے فقرے کا آخری حصہ کاٹ دیا اور صرف ابتدائی حصہ پیش کرکے مضمون پر سرخی یہ لگا دی کہ مرتد کی سزا البغاوت کی بنا پر ہے اور اس سے مفہوم آپ یہ نکال رہے ہیں کہ مرتد جب تک ہتھیار نہ اٹھائے، اُسے کوئی سزا نہیں دی جاسکتی خواہ وہ کفر پر دائم و قائم اور مُصر رہے۔ حالانکہ امام صاحب یہ فرما رہے ہیں کہ مجرد ارتداد نہیں، بلکہ اصرار علی الکفر ہی موجبِ قتل ہے۔ اس طرح انہوں نے امام صاحب کے مدعا و منشاء کے عین برعکس و مخالف مفہوم ان کے الفاظ کو پہنا دیا ہے۔

اب دوسری عبارت کو لیجیے جسے مولانا ایمنی صاحب نے صرف اتنا نقل کیا ہے:

فیقتل لدفع المحاربة	قتل کیا جائے جنگ کے دفعیہ کی غرض سے۔

اس سے بھی مولانا وہی مراد لینے کی سعی کر رہے ہیں کہ مُرتد صرف وہی قتل کیا جائے گا جو مسلح ہو کر جنگ آزمائی کرے، حالانکہ امام صاحب کا پُورا فقرہ یہ ہے:

وبالاصرار علی الکفر یکون محاربًا للمسلمین، فیقتل لدفع المحاربة	اور مُرتد کفر پر اصرار کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف مُحارب کی حیثیت اختیار کرے گا پس اس محاربے کو دفع کرنے کی خاطر اسے قتل کیا جائیگا۔

ملاحظہ فرمایئے کہ بات کیا سے کیا بن گئی۔ امام صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ مرتد کا ارتداد کے بعد کفر و ارتداد پر اصرار مسلمانوں کے خلاف ایک محاربت یعنی مورچہ بندی ہے، اس لیے مرتد کا قتل ناگزیر ہے تاکہ اس مورچے کا خاتمہ ہو، اور مولانا ایلینی صاحب اس سے یہ اُلٹا مفہوم نکال رہے ہیں کہ مرتد اگر تلوار اٹھائے گا تب اُسے سزا دی جائے گی، ورنہ وہ ارتداد پر مُصر ہونے کے باوجود آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ امام صاحب کے سیاقِ کلام سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ مرتد کا اپنے ارتداد سے باز نہ آنا اور اصرار کے ساتھ کفر پر جم جانا بجائے خود محاربہ ہے اور اس کا سدِّ باب قتل ہی سے ہو گا۔

محاربت کے اس مفہوم کی تعیین کے بعد اُس تیسرے فقرے کے معنی خود بخود متعین ہو جاتے ہیں جسے مولانا ایلینی صاحب شروع میں لائے ہیں لیکن کتاب کی ترتیب میں وہ آخر میں آیا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے: ان القتل باعتبار المحاربہ۔ مولانا نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "قتل جنگ جوئی کے اعتبار سے ہے"۔ یہ ترجمہ اگر صحیح مان لیا جائے تب بھی اس جنگ جوئی سے مراد وہی کفر و ارتداد پر اصرار و مداومت ہی ہو گا، جیسا کہ امام سرخسی پہلے فرما چکے ہیں کہ بالاصرار علی الکفر یکون محاربًا للمسلمین۔ اس سے مراد بغاوت و قتال ہرگز نہیں ہے۔

ان تین عبارتوں کے بعد مولانا محترم نے مبسوط کے اسی صفحے کی ایک چوتھی عبارت کا حوالہ بھی دیا ہے مگر اس کی عربی عبارت کو نقل نہیں کیا۔ عبارت کا ترجمہ یا مفہوم یوں بیان کیا ہے: "بلاشبہ الٰہی شریعت میں تبدیلِ مذہب اور کفر بڑا گناہ ہے لیکن یہ معاملہ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے۔" آگے متصلاً مولانا نے یہ اضافہ فرما دیا ہے کہ "حکومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حکومت صرف بغاوت کی بنا پر سزا دے سکتی ہے جس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ جس کی طرف سے بھی بغاوت پائی جائے گی اس کے خلاف کارروائی ضروری ہو گی"۔

مولانا نے پھر یہاں الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ امام صاحب کی اصل عبارت یہ ہے:

تبدیل الدین واصل الکفر من | درحقیقت تبدیلیٔ دین اور اصل کفر بہت بڑے

اعظم الجنایات ولکنها بین العبد وبین ربه فالجزاء علیها موخر الی دار الجزاء وما عجل فی الدنیا سیاسات مشروعة لمصالح تعود الی العباد

جرائم ہیں، لیکن یہ بندے اور اس کے رب کے درمیان ہیں، اس لیے ان کی اصل جزا تو دار الجزاء ہی پر مؤخر ہے، مگر جو سزا فوری طور پر ان کی دنیا میں دی جاتی ہے وہ شریعت میں مقرر سرزنش ہے جو ایسے مصالح پر مبنی ہے جن کا تعلق بندوں سے ہے۔

یہاں بھی آخری حصّے کو کاٹ کر مولانا نے اس کے بجائے ایک نئے مضمون کا جوڑ لگا دیا ہے کہ "حکومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں . . . " حالانکہ امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ سزا تو دنیا میں بھی انسانی مصالح کی خاطر سیاساتِ شرعیہ کی شکل میں دی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق حکومت ہی سے ہے، لیکن حقیقی جزا آخرت ہی میں ملے گی اور وہ دنیوی سزا سے بالکل الگ ہے۔

اس کے بعد مولانا ایلنی صاحب نے الاحکام السلطانیہ وغیرہ کے بعض حوالوں سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگ بھی بربنائے ارتداد نہیں بلکہ بربنائے بغاوت تھی اور ان کا فعل بغاوت ہی کے مترادف تھا، جیسا کہ عہدِ صدیقی میں ہوا اور بعد میں مسلمان تاتاریوں کے خلاف فوج کشی بھی اسی تعریف میں آتی ہے۔

اس استدلال پر کچھ کہنا یہاں غیر ضروری ہے۔ یہ خواہ مخواہ کا خلطِ مبحث ہے جس پر تنقید باعث طوالت ہو گی۔ مختصراً اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ فی الحقیقت حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جو فتنہ رُونما ہوا تھا، وہ شاخ در شاخ اور گوناگوں تھا۔ اس میں صریح ارتداد بھی تھا، خدا و رسول کا انکار بھی تھا۔ توحید و رسالت کے رسمی اقرار کے ساتھ مزید نئی نبوتوں کا ادعا بھی تھا، خلافت کا انکار بھی تھا، منع زکوٰۃ بھی تھا۔ غرض ایک ہمہ گیر اور ہمہ پہلو فتنہ تھا۔ اس کے بارے میں ایک مختصر اور سادہ سی بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ وہ کیا تھا اور کیا نہیں تھا؟ مرتد کی سزا باغیوں وغیرہ کی سزا کے مسئلے سے بالکل جداگانہ شئے ہے۔ ان کو باہم خلط ملط کرنا بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ خلیفۂ اوّل نے باجماع صحابہ جن لوگوں کے قتل کا فیصلہ صادر فرمایا

تھا ان میں ایسے مرتد شامل تھے جو باغی نہ تھے، بلکہ فقط دائرۂ اسلام سے خروج ہی ان کا واحد جرم تھا۔ عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے مولانا امینی صاحب میرے احترام اور حُسنِ ظن کے لائق ہیں۔ مَیں اب بھی یہی گمان کرتا ہوں کہ کسی تساہل یا تسامُح ہی کی بنا پر اس مغالطہ انگیز عنوان کے تحت انہوں نے چند ادھورے فقرات دے کر ان سے غیر محکم استنتاج کیا ہے، ورنہ مجھے یقین ہے کہ مبسوط کی پُوری بحث ان کی نظر سے گزری ہوگی اور یہ مسلّم مسئلہ ویسے بھی ان کی نگاہ سے مخفی نہ ہوگا کہ صرف احناف وشوافع ہی نہیں، بلکہ سلف سے خلف تک پُوری اُمّت اس پر متفق ہے کہ اسلام میں مجرّد ارتداد کی انتہائی سزا بھی قتل ہو سکتی ہے۔ اس مسئلے سے انحراف صرف چند باطل اور گمراہ طائفوں نے کیا ہے، جو عہدِ جدید کی پیداوار ہیں اور جنہوں نے اہلِ مغرب سے مرعوب ومفتوح ہو کر اب ایک ایسا اسلام تصنیف کرنا شروع کیا ہے جس میں حق وباطل اور خوب وناخوب کو جانچنے کا معیار چند ایسے مغربی نظریات ہیں جو خاص ہماری خاطر ہی وضع کیے گئے ہیں، ورنہ اہلِ مغرب کے خود اپنے عملیات ان کی گرفت سے بالکل آزاد اور بے نیاز ہیں۔

ایک آخری گزارش عام قارئین کے لیے بھی ہے اور وہ یہ کہ میرے اس مضمون کا اصل مدعا فقط جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی کی توجہ کو ان کی فروگزاشت کی جانب مبذول کرانا اور جو غلط فہمی ان کے بیان سے پیدا ہو سکتی تھی، اُسے دُور کرنا ہے۔ قتلِ مرتد کے موضوع پر نقل وعقل کی رُو سے تفصیلی بحث کرنا میرے مضمون کے محدود دائرے سے خارج ہے۔ علامہ سرخسی کے الفاظ مَیں اوپر نقل کر چکا ہوں اور مدیر ترجمان القرآن مولانا ابُوالاعلیٰ مودودی کا ایک کتابچہ بھی اس موضوع پر موجود ہے۔ جو صاحب زیادہ تحقیق چاہتے ہوں وہ اسے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔